ڈاکٹر محمد یوسف خشک

ڈھائی سو برس قبل سندھ میں عورت کی آزادی کے علمبردار شاعر شاہ لطیفؒ

قلمی زبان ایک ایسا واحد ذریعہ ہے جس کی معرفت انسان اپنا جسمانی وجود ختم ہو جانے کے صدیوں بعد بھی، آنے والی نسلوں کو اپنے تجربات، مشاہدات مقاصد، تصورات اور نظریات پیش کرتا رہتا ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ مجموعی طور پر ہر آنے والی نسل پچھلی نسل سے زیادہ ذہین ہوتی ہے۔ لیکن ہر قوم میں چند ایسی شخصیات ضرور پیدا ہو جاتی ہیں جن کی ذہنی رفتار یا مستقبل کو دیکھنے کی صلاحیت اتنی طاقت ور اور تیز ہوتی ہے کہ اس کو سمجھنے میں اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہوتے کئی نسلیں اور صدیاں گزر جاتی ہیں یا دیگر الفاظ میں یوں کہا جائے کہ ان بزرگ دانشوروں کی ذہنی رفتار اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ اسے کئی نسلیں نہیں پہنچ پاتیں اور اگر ایک حلقہ ایسا نکل بھی آئے جو ان کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اسے اکثریت ہضم نہیں کر پاتی اس لیے وہ وقت کے دھارے میں بہ جاتے ہیں اور وقت گزرنے کے بعد جب مجموعی طور پر قومی شعور بے دار ہو جاتا ہے تو اسی نسل کے لوگ اپنے ان بزرگ دانشوروں کے علم و عقل پر نازاں ہوتے ہیں۔

ایسی ہی تیز ذہنیت کے مالک سندھ کے نامور شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی بھی ہیں جن کو گزرے ہوئے آج ڈھائی سو برس سے زیادہ ہو چکے ہیں، وہ جسمانی طور پر تو آج ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں لیکن اپنی شاعری میں موجود پیغام کی معرفت سندھ کے موجودہ سماجی

حالات سے صدیاں آگے نظر آتے ہیں۔ آپ میں مستقبل دیکھنے کی بھرپور صلاحیت موجود تھی اور اسی کی روشنی میں آپ نے شاعری کی معرفت اپنی قوم اور تمام انسانیت کے نام بھرپور پیغامات چھوڑے ہیں۔ اگر باریک بینی سے دیکھا جائے تو زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جسے شاہ لطیف اپنے کلام میں زیر بحث نہ لائے ہوں، مثلاً اکیسویں صدی کمپیوٹر کی صدی کہلا رہی ہے جس کی بدولت دھرتی کی وسیع دنیا آج Global Village کہلا رہی ہے، مگر آپ کو یہ پڑھ کر حیرانی ہوگی کہ سندھ کے شاہ لطیف تو اس پوری کائنات کو جس میں زمین، سورج، چاند، مریخ، وینس وغیرہ وغیرہ سب سیارے آجاتے ہیں ان تمام کو ملا کر آج سے ڈھائی صدیاں پہلے Global Village قرار دینے کا انکشاف کر چکے ہیں۔ لطیف کی زبانی ملاحظہ ہو:

جتي عرش نہ اپ کو زمين ناهي زرو
نکو چاڙهائو چنڊ جو نکو سج سرو
اتي آديسين جو لڳو دنگ درو
پري پين پرو ناٿ ڏنائون ناه م

ان ستاروں کے کارواں سے دور	ماہ و خورشید و کہکشاں سے دور
کارفرمائی مکاں سے دور	شعبدہ کاری زماں سے دور
منزل عمر بے نشان سے دور	اعتبارات جسم و جان سے دور
اس زمیں اور آسماں سے دور	خلوت حسن و جاوداں سے دور
حق نگر جوگیوں کا مسکن ہے	جن سے وابستہ میرا دامن ہے (۲)

یعنی جہاں آسمان اور زمین کا وجود نہیں وہاں پر آدیسیوں کی آخری منزل ہوتی ہے۔ جس سے صاف واضح ہے کہ شاہ لطیف انسانیت کا بلند مقام پہلے ہی بھانپ گئے تھے اور وہ تو اس مستقبل کو دیکھ چکے تھے جس تک پہنچنے اور سمجھنے میں عام انسان کو ابھی مزید کئی صدیاں درکار ہوں گی۔ حاصل مقصد یہ ہے کہ محقق اور قاری پر منحصر ہے کہ وہ شاہ لطیف سے زندگی کے کون سے رخ کے متعلق رہنمائی لینا پسند کرتا ہے۔

سندھ میں آج کل NGOs عورتوں کی آزادی اور ان کے بنیادی حقوق کے حوالے سے کام کر رہی ہیں جس میں وہ یورپین عورت کی آزادی کو نمونہ بنا کر پیش کرتی ہیں لیکن یہ NGOs نمائندہ، شاہ لطیف کے پیغام کو غور سے پڑھیں تو انہیں حیرانی ہوگی کہ یورپی معاشرے نے عورت کو جو آزادی آج دے رکھی ہے اس آزادی کی بات شاہ لطیف نے سندھ کی عورت کے لیے ڈھائی سو سال پہلے کی ہے اور اگر یہ تنظیمیں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے بجائے یورپی معاشرے کو آئیڈیل بنا کر پیش کرنے کے شاہ لطیف کے پیغام کو ذریعہ بنائیں تو انہیں یقیناً حصولِ مقصد میں نہ صرف آسانی ہوگی بلکہ جلد کامیابی بھی ہوسکتی ہے۔ یہ رہبرِ سندھ اپنی شاعری میں سندھ کے معاشرے میں عورت کو کس مقام پر دیکھنا پسند کرتے تھے اس کی چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں۔

سندھ میں ۹۹.۵ فیصد سوسائٹی آج بھی Male Dominant ہے۔ تو ڈھائی صدیاں پہلے کیا صورت حال ہوگی اس کا اندازہ آپ بہ خوبی لگا سکتے ہیں، لیکن اس کے باوجود اس زمانے میں بھی شاہ لطیف مرد کی پہچان عورت کے نام سے کرواتے ہوئے ملتے ہیں جو نہ اُس وقت ممکن تھا اور نہ اِس وقت اکثریت کے لیے قابل ہضم ہے، لیکن شاہ لطیف کے Libral ذہن کے لیے یہ قابل قبول تھا جس سے صاف واضح ہے کہ وہ سندھی سماج میں عورت کو مرد کے برابر دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ شعر ملاحظہ فرمایئے:

پیاری سورٹھ کے خوبرو سرتاج	میری جھولی کی بھی رہے کچھ لاج
چھوڑ کر میں ہر اک دروازہ	سر جھکائے ہوں تیرے در پر آج (۳)

سن لے ''سورٹھ'' کے خوبرو سرتاج	اک انوکھا سوال لایا ہوں
نرغہ دشمناں میں ہوں لیکن	تیرا سر مانگنے کو آیا ہوں
جلد سائل کو سرخرو کر دے	ورنہ محروم آرزو کر دے (۴)

اب اگر اس داستان کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان اشعار پر آپ غور فرمائیں تو ایک طرف

مرد کو وہ عام نہیں بادشاہ مرد (رائے ڈیاچ) کو عورت کے نام سے پہچانوایا جا رہا ہے تو دوسری طرف سر مانگنے والے مرد (بجل) میں بھی عورت (بجل کی بیوی) کی وجہ سے یہ ہمت پیدا ہوئی ہے کہ وہ ایک بادشاہ سے سر مانگنے چلا آیا ہے۔

اسی طرح سر ماروی میں شاہ لطیف سندھ کی عورت کو ماروی کے روپ میں مکمل آزادی دیتے ہوئے ملتے ہیں، جس سے صاف واضح ہے کہ، ان کی خواہش تھی کہ سندھ کی عورت اپنی مرضی سے آزادی کے ساتھ اپنی زندگی گزارے، جس کا واضح ثبوت اس سر کے ابتدائی بیت ہیں۔ مثلاً جب بادشاہ عمر، حسین لڑکی ماروی کو اس کی مرضی کے بغیر اپنے محل میں لے جا کر اپنے تخت وتاج اور آسائشیں دکھا کر اس کی رضامندی حاصل کرنا چاہتا ہے تو شاہ لطیف کی ماروی ان آسائشوں کو ٹھکراتے ہوئے جو کلمات ادا کرتی ہے ان سے ماروی سندھ تو کیا دنیا کی تمام عورتوں کے لیے آئیڈیل بنتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً بادشاہ عمر کی طرف سے ریشمی ملبوسات کی پیش کش کو ٹھکراتے ہوئے وہ کہتی ہے:

میں نہ پہنوں گی ریشمی ملبوس — چاہے جس رنگ کا بھی ہو کوئی
میرے پیارے وطن کا تحفہ ہے — صاف و شفاف اون کی لوئی
جان سے بھی ہے عزیز مجھ کو — اپنے پنہوار کی رضاجوئی (۵)

مزید کہتی ہے:

اے عمر تیرا خلعتِ زر تار — میری لوئی کے سامنے بے کار
ریشمی لمس سے کم نہ ہوگا — دل سے اُن پیارے ماروؤں کا پیار (۶)

شاہ لطیف کا کمال یہ ہے کہ اب یہاں پر ایک طرف تو گاؤں کی معصوم لڑکی ماروی کی اتنی بھرپور ہمت دکھا کر سندھ کی عورتوں کے ہمت حوصلے کو بلند دکھاتے ہیں تو دوسری طرف ماہرِ نفسیات کی مانند سندھ کے مرد یعنی عمر کو ظالم جابر یا وحشی نہیں، بلکہ ایک نفیس، پیار کرنے والا اور جذبات کی قدر کرنے والا انسان بنا کر پیش کرتے ہیں۔ جس کا منہ بولتا ثبوت عمر بادشاہ کا کردار ہے۔ جو بادشاہ ہونے کے باوجود ظالم، وحشی، جابر یا عام مرد بن کر ماروی پر ٹوٹ نہیں پڑتا یا

زبردستی اُسے اپنی ہوس کا نشانہ نہیں بناتا، بلکہ مختلف طریقوں سے مسلسل ماروی کا دل جیتنے کی کوشش کرتا رہتا ہے لیکن ناکامی کے باوجود شاہ لطیف کا یہ سندھی مرد (وہ بھی عام نہیں بادشاہ، جس کی پیروی ہمیشہ رعایا بخوشی کرتی ہوئی ملتی ہے) بوکھلا کر عام آدمی نہیں بن جاتا بلکہ ایک بردبار، باوقار معتبر پیار کرنے والے انسان کے روپ میں ماروی کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے ماروی کو آزاد کر دیتا ہے۔ یعنی اس سر میں شاہ لطیف ایک طرف تو عورت کو اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کے لیے مکمل آزاد دکھاتے ہیں اور دوسری طرف اسی معاشرے کے مرد سے عورت کو برابری کا درجہ دلواتے ہوئے ملتے ہیں۔

کیا آج کے دور میں ڈھائی صدیاں گزرنے کے باوجود ہمارے معاشرے میں یہ ممکن ہے؟ بالکل نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس زمانے میں بھی ناممکن ہوگا۔ لیکن اس طرح کا Case دیکھتے ہی لطیف اسے اپنی شاعری میں اس لیے قلم بند کر دیتے ہیں کہ لطیف سندھ کے مکمل سماج کو اس طرح دیکھنے کے خواہش مند تھے اور اپنی شاعری کی معرفت سندھ اور دنیا کے خود غرض وڈیروں، جاگیرداروں، چوہدریوں، دنیا کے جابروں، وحشیوں اور عام مردوں کو پیغام دینا چاہتے تھے کہ اصل مردانگی کسی کی عزت لوٹنے میں، کسی کو قتل کر دینے میں نہیں ہے بلکہ صحیح مردانگی اس کی مرضی سے اس کو آزاد کر دینے میں ہے، معاف کر دینے میں ہے۔

اسی طرح سر سسّی میں شاہ لطیف سندھ کی جوان عورت سسّی کی رسماً یا جبراً کسی دوسرے مرد سے شادی نہیں کرواتے بلکہ اسے اپنی مرضی سے مکمل زندگی گزارنے کا حق دیتے ہوئے خود فرماتے ہیں:

اہل بھنبھور لاکھ سمجھائیں — وہ نہ سمجھے گی کچھ بجز محبوب
نہ ملے کاروانِ گم گشتہ — راہِ الفت میں موت بھی مرغوب
یہ خلوص وفا صدق طلب — ہو گئے ایک طالب و مطلوب (۷)

اب اس سر میں عورت کی آزادی کے حوالے سے یہ نکتہ بھی قابل غور رہے کہ شاہ کی سسّی شوہر کو ڈھونڈنے کے لیے تنہا گھر سے نکلنے کا فیصلہ کرتی ہے، تو دوسری طرف جب اہل بھنبھور اور

اس کی قریبی سہیلیاں اسے سفر کی مشکلات سے آگاہی دیتے ہوئے سمجھاتی ہیں تو سسئی سکھیوں کو جواب دیتے ہوئے کہتی ہے:

میری ہمجولیو! میری سکھیو! — مشورہ دو نہ لوٹ جانے کا
اب یہ ہی ہے تلافیٔ مافات — غم نہیں مجھ کو دکھ اٹھانے کا
شکر ہے مجھ کو عشق نے بخشا — حوصلہ خود کو آزمانے کا (۸)

یا اسی طرح پورے سر میں، سسئی کے رشتے داروں میں سے سب کا خاموش رہنا یا ان کے Reaction کا ذکر تک نہ کرنے کے مقصد سے صاف واضح ہے کہ لطیف سندھی سماج میں عورت کو اپنے فیصلے خود کرنے کی آزادی دینے کے علمبردار تھے۔

اسی سر میں شاہ لطیف ایک طرف تو مرد کو عورت پر مکمل اعتماد کرتا ہوا دکھاتے ہیں تو دوسری طرف عورت کو بھی مرد پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے کھلی ذہنیت کی مالک دکھاتے ہیں جس کا واضح ثبوت اس سر میں موجود وائی کا ایک بند ملاحظہ ہو:

تم بن میرے پریتم پیارے تڑپوں گی دن رین
جاؤ نہ چھوڑ کے مجھ کو اکیلی جیارا ہے بے چین
سکھیو آؤ منائیں
ساجن روٹھ نہ جائیں (۹)

بند سے واضح ہے کہ سسئی کا دلبر، سسئی کی سکھی سے نہیں بلکہ سکھیوں سے نہ صرف ملتا تھا بلکہ اس کی سب سکھیاں اس حد تک اس کے دلبر کے قریب تھیں کہ جو بات وہ سسئی کی نہیں مانتا اسے سکھیاں منا لیتی تھیں۔ یہ سکھیاں سسئی کی طرح جوان اور خوب صورت بھی ہیں لیکن پھر بھی اسے ان کے میل جول پر کوئی اعتراض نہیں تھا، بلکہ خود ان کا سہارا لے کر محبوب سے اپنی بات منوا لیتی تھی، یعنی شاہ کی سسئی شکی مزاج نہیں ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ لطیف کا آئیڈیل معاشرہ اتنا متوازن ہے کہ شک کی گنجائش ہی پیدا نہیں ہوتی، جب کہ یہ صورت حال آج اکیسویں صدی کی سندھ میں تعلیم یافتہ عورتوں کی اکثریت کے لیے بھی ناقابل قبول ہے اور میری اس تشریح

کے بعد شاید انہیں ناراضگی بھی ہو لیکن حالات جس تیزی سے بدل رہے ہیں تو آنے والے دور کی عورتیں اور مرد، شاہ لطیف کے اس نظریے اور سوچ پر ضرور ناز کریں گے کہ ان کی نسل میں صدیوں پہلے اتنے کھلے ذہن کی شخصیت موجود تھی۔

اسی طرح سُر مومل رانو، عورت کے حاصلات حقوق کے حوالے سے بالکل Peak ہے۔ شاہ لطیف کا رانا اپنی مومل کو کسی دوسرے مرد کے ساتھ سویا ہوا دیکھ کر، زمانے کی ریتوں رسموں کے موجب اسے قتل نہیں کرتا بلکہ ایک باعقل، ذہنی بالغ اور غیرت مند آدمی کی طرح الوداع کہنے سے پہلے وجہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

غیر سے تو نے آشنائی کی — اپنے حق میں بڑی برائی کی
تو نے رانا کو کھیل سمجھا تھا — جھیل اب سختیاں جدائی کی (۱۰)

جس کے بعد وہ مومل کی زندگی سے اس خاموشی کے ساتھ نکل جاتا ہے کہ باقی زندگی کا لمحہ لمحہ مومل قتل جیسی کیفیت محسوس کرتی رہتی ہے یا دیگر الفاظ میں یوں کہا جائے کہ مومل اپنے احساسات کی معرفت تاحیات روز قتل ہوتی رہتی ہے۔ شاہ کی مومل کی زبانی اس کیفیت کی جھلک ملاحظہ ہو:

ڈوبتے رہتے ہیں کئی سورج — کتنی راتیں تمام ہوتی ہیں
کھوئے رہتے ہیں تیری یادوں میں — تیری باتیں مدام ہوتی ہیں
میری اپنی خطائیں رہ رہ کر — مائل انتقام ہوتی ہیں (۱۱)

شاہ لطیف کی مومل اس سخت صورت حال کا سامنا کرنے کے باوجود رانو سے نفرت کرنے کی بجائے، ایک ذی عقل اور بردبار عورت اور ماہر نفسیات کی طرح رانو کی عقل کی قدر کرتے ہوئے کہتی ہے:

تمام کم عقلوں کے لیے پیارے — صبر تیرا ہے رمز دانائی
تیری خاموشیوں میں آسودہ — بے نیاز انا شان یکتائی (۱۲)

کسی بھی ترقی یافتہ ملک میں عورت کی اتنی عزت اور بہ طور عورت اس کے انسانی حقوق

کے تحفظ کی پاسداری جس طرح شاہ لطیف نے کی ہے اس سے زیادہ خوب صورت مثال ادبی دنیا میں شاید ہی ملے۔

حوالہ جات:

۱۔ سردام کلی، گنج شاہ جو رسالو، (جدید صورت خطی م آئینہ در: ممتاز مرزا) اشاعت شاہ عبداللطیف بھٹائی مرکز بت شاہ حیدر آباد ۱۹۹۵ء ص ۵۸۷

۲۔ سر رامکلی، رسالہ شاہ عبداللطیف (شاہ عبداللطیف بھٹائی کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ) مترجم شیخ ایاز، سندھیکا آکیڈمی کراچی ۱۹۹۱ء ص ۱۳۹

۳۔ سر سورٹھ، رسالہ شاہ عبداللطیف (شاہ عبداللطیف بھٹائی کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ) مترجم شیخ ایاز، سندھیکا اکیڈمی کراچی ۱۹۹۱ء ص ۶۲۔

۴۔ ایضاً ص ۶۱۔

۵۔ سر مارئی، رسالہ شاہ عبداللطیف (شاہ عبداللطیف بھٹائی کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ) مترجم شیخ ایاز، سندھیکا اکیڈمی کراچی ۱۹۹۱ء ص ۵۷۔

۶۔ ایضاً

۷۔ سر سسی، رسالہ شاہ عبداللطیف (شاہ عبداللطیف بھٹائی کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ) مترجم شیخ ایاز، سندھیکا اکیڈمی کراچی ۱۹۹۱ء ص ۲۴۳۔

۸۔ ایضاً

۹۔ ایضاً ص ۲۵۴۔

۱۰۔ سر مومل رانو، رسالہ شاہ عبداللطیف (شاہ عبداللطیف بھٹائی کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ) مترجم شیخ ایاز، سندھیکا اکیڈمی کراچی ۱۹۹۱ء ص ۲۷۳۔

۱۱۔ ایضاً ص ۳۶۷

۱۲۔ ایضاً ص ۳۸۲

☆☆☆